چٹکی بھر روشنی
ساقی ارباب ذوق
0305 6406067
PDF Book Company
وزیر آغا

وزیر آغا

کاغذی پیرہن

چٹکی بھر روشنی ___ نظمیں ___ وزیر آغا

وسیم جگنو نے ٹی جے پرنٹرز رایل پارک' لاہور سے چھپوا کر

کاغذی پیرہن' ۷۲' بیڈن روڈ' لاہور سے شائع کی

اشاعتِ اوّل : جولائی ۲۰۰۵ء

مشینی خطّاطی : ورڈ میکرز

سرورق : ریاظ

قیمت : ۱۰۰ روپے

Chutki Bher Raushni
(*Urdu* Poems by *Wazir Agha*)

Printed by:
T. J. Printers
Royal Park, Lahore, Pakistan.

Price:
In Pakistan: Rs. 100.00
Abroad: US$. 8.00 or Euro. 6.00 or UK Pound. 4.50

Published by:
Kaghadhi Paerahen
72, Beadon Road, Lahore, Pakistan.
Tel: +92.42.7122552
Email: kaghadhipaerahen@hotmail.com

ISBN 969-8527-57-5

صفیہ کی یاد میں!

چُٹکی بھر روشنی

زر

پَر

☆☆☆

نظم

عجب دُھند تھی
جس کی بھاری تہوں میں
وہ اِک دُھند پیکر
خُدا جانے کب سے چُھپا تھا
وہ پیکر جو اِک ٹوٹی پھوٹی سی
سرگوشی بن کر، تہوں میں اُتر کر
مجھے اپنی برفاب پوروں سے چُھو کر
فقط اِس قدر جاننا چاہتا تھا

کہ مَیں ہُوں یا میں بھی نہیں ہُوں!

عجب دُھند تھی

اِور عجب وُہ ہَیُولا تھا

اپنے بدن کا فقط ایک سایہ

فقط ایک خاکہ

جو مجھ تک پہنچنے کی اِک تُند خواہش بنا

سانس روکے کھڑا تھا

وہ اِک سلوٹوں سے بھرا' دودھیا پیرہن

گِرد جس کے کوئی حاشیہ تک نہیں تھا

مگر جس کے ہونے کی مجھ کو خبر تھی

میں سب جانتا تھا!!

☆☆☆

دِیا

سِتارہ' اِستعارہ ہے
اگر آکاش پر ٹھہرے تو قشقہ ہے
اگر ماتھے پہ رُک جائے تو بِندیا ہے
وگرنہ بے سہارا ہے

سِتارہ' اِک شرارہ ہے
اگر سیپی کے لب چُھولے تو موتی ہے
اگر پلکوں پہ رہ جائے تو افسُوں ہے
نہ اِمکاں ہے
فقط مٹّی کا اِک ٹوٹا دِیا ہے
اوِر ہمارا ہے!

☆☆☆

ہَییٔت

گھنے، گرہوں بھرے جالے کے اَندر
وہ بستی، بے سہارا ڈولتی ہے
ہزاروں اُنگلیاں اُس کے بدن پر
کفن اِک بُن رہی ہیں دھیرے دھیرے
ابھی کچھ دیر میں اُترے گی "ہَییٔت"
بدن میں گاڑ دے گی دانت اپنے
تو بستی، دُودھیا دھاگوں میں لپٹی
معاً اِک چیخ بن کر جی اُٹھے گی
یہ اُس کی آخری آواز ہوگی!

☆☆☆

بہت دیر لگا دی تُو نے !

دھوپ،
آنے میں بہت دیر لگا دی تُو نے !
اب سواگت ترا کرنے کو بچا کوئی نہیں
نہ پرندے ہی سلامت ہیں کہ اُڑتے، اُڑ کر
تیری کرنوں میں نہاتے، گاتے
پھُول تک باقی نہیں ہیں
کہ لرزتے ہوئے شبنم کے نگینوں کو
ہتھیلی پہ سجا کر لاتے

تیری کِرنوں سے یہ کہتے: ہمیں چُھو کر دیکھو
ہمیں گلنار بناؤ، آؤ!
پیڑ ہوتے تو تِری نرم شعاؤں کے تِلک
اپنے ماتھے پہ سجاتے
تِری پُوجا کرتے
اَور ہم لوگ —
مگر ہم بھی تو اَب برف کی قاشیں ہیں فقط
تیری حِدّت میں پگھل سکتے ہیں، جی سکتے نہیں
دھوپ، آنے میں بہت دیر لگا دی تُو نے!!

☆☆☆

لرزتی گُونج نیلے پانیوں کی

لرزتی گُونج نیلے پانیوں کی
ترے کانوں کے اندر آ بسی ہے
ہزاروں ناریل کے پیڑ
تجھ پر جھک گئے ہیں
پرندے، خوش نوا آبی پرندے
ترے چاروں طرف اُڑنے لگے ہیں
سنہری ریت پر لیٹے بدن
تیرا سواگت کرنے آئے ہیں

وہ خوش ہیں، تو سمندر بن گیا ہے
مگر میں خوش نہیں ہوں
مجھے معلوم ہے
سارے سمندر ساحلوں کو روندتے ہیں
کھلونوں اور سفینوں کو
مکانوں اور مکینوں کو
سدا برباد کرتے ہیں!

☆☆☆

کار سے اُترو!

جاڑے کی شرمیلی دُھوپ سے
دھیرے دھیرے باتیں کرنا
ننھے کو اِک نیا کھلونا دے کر
اُس کی پلکوں پر ٹھہرے آنسو کو
روشن تارا بنتے دیکھ کے ہنسنا
رس گنّے کا غَٹ غَٹ پینا
موزے بُنتے ہاتھوں کو
اٹکھیلیاں کرتے تکنا

گھاس پہ لیٹ کے
بھُولی بِسری یادوں کی
شبنم میں نہانا
بگلوں کی زنجیر کو اَپنے تارِ نظر میں
باندھ کے اُڑنا
کٹے پتنگ کی ڈور سے جُڑ کر
نیچے آنا
یہ سب چھوٹی چھوٹی خوشیاں
تم کیوں ربڑ کے بُوٹ کی نوک سے
ٹھوکر مار کے اِن خوشیوں کو
بڑی بڑی خوشیوں کے پیچھے
دَوڑ رہے ہو
کار سے اُترو
رُک کر دیکھو!

☆☆☆

ببُولا

آخر اک دِن ہونا تھا یہ

آخر اک دِن ہونا تھا

اِک دِن اُس کو

ریشم کے کویے سے باہر آنا تھا

آخر کب تک

بھاری زرد پٹاری میں وُہ

دبکا رہتا

آخر کب تک

آگ کے گرد عَروسی جوڑا پہنے

پھیرے لیتی ناری کو وُہ

شبنم کی چلمن سے تکتا

آخِر اک دِن اُس کو بھی تو

آگے بڑھ کر

خُوشبُو میں لپٹے لو کے کو

اپنی دہکتی باہنوں میں بھر لینا تھا

سو اَب دونوں

راکھ کا چُرمُر ڈھیر بنے

بے نُور خلاؤں میں گرداں ہیں!

☆☆☆

رُکے کھڑے ہیں!

وقت گزرتے دیر کہاں لگتی ہے بھائی!
ابھی تو ہم اُس دُودھ کی نہر سے
پیاس بجھاتے تھے
ابھی تو ہم تتلی کے پیچھے دَوڑ لگاتے تھے
ابھی تو ہم جھونکے سے بندھ کر
چَھیل چھبیلی آرزوؤں کو چھوتے پھرتے تھے
رنگوں کی جھنکار پہن کر
قدموں کی ہر چاپ کے اندر
شور مچاتے تھے!

وقت گزرتے دیر کہاں لگتی ہے بھائی!
ابھی تو ہم رِشتوں ناتوں کے

لَش لَش کرتے جال میں جکڑے
پھڑ پھڑ کرتے تھے
خوشی غمی کے سارے چرکے
تن پر سہتے تھے!

اور اَب ہم اِک ایسے
ٹھہرے عالَم میں مبہوت پڑے ہیَں
جہاں گزرنے والی کوئی چیز نہیں ہے
وقت کے اَندر
دُھند کی چیخیں نصب ہُوئی ہیں
اور ہم دُھند کے خیمے کو
اِن اپنی دُھندلی آنکھوں سے
بس بِٹ بِٹ، بِٹ بِٹ
دیکھ رہے ہیں!
اپنے "ہونے" کے بے اَنت فسُوں میں
رُکے کھڑے ہیَں!!

☆☆☆

دعوتِ شیراز

عُمر کی ساعتیں

کن کالے پہاڑوں میں

گِھرے شہر کی جانب ہیں رواں

کس کو خبر!

اپنے قدموں کی اِک اِک ضرب سے

بھُرتی، گھٹتی

کتنے ہی چر کے وہ سہتی ہیں

تو اِک دُکھ بھری آواز میں کہتی ہیں: رُکو

ہمیں بکھرنے سے بچاؤ، ٹھہرو!

دُکھ بھری ساعتیں
اے کاش میں رُک کر
انھیں بتلا سکتا
سانس لینے کو نہیں رُکتی کبھی
عُمر کی مُور
عُمر کی مُور تو بڑھتی ہے سَدا
رات کی دعوتِ شیراز کی خُوشبُو سے جُڑی
خاک پر چلتے ہوئے اندھے فقیروں کی طرح !!

☆☆☆

رات کے پچھلے پہر

رات کے پچھلے پہر، جب نیند
بیداری کو اَپنے رُوبرُو پاکر
اکھڑتے سانس لیتی ہے
سیاہی کی طنابیں ٹوٹتی،
درزوں کے لب دو نیم ہوتے ہیں
تو اُن درزوں سے
قیدی خواب
کیڑوں کی طرح باہر نکلتے ہیں

شکستہ ریختہ

صدیوں پُرانی خواہشوں کے
ہر طرف بکھرے
مغلّظ اشتہا انگیز ریزے
چُنتے پھرتے ہیں!!

☆☆☆

دھوکا

دبیز گرد کی چادر نے سارے منظر کو
بدل دیا ہے کچھ ایسے کہ سبز پیڑ ہمیں
پرند دکھتے ہیں، پھُولے ہوئے پَروں والے
پتنگ بن کے پرندے فلک پہ پرّاں ہیں
مکان جیسے کہ مرقد ہوں اور مکیں سارے
حنُوط لاشوں کی صورت زمیں پہ بکھرے ہیں
ہر ایک چیز کا معنیٰ بدل گیا یک دَم
عجب دبیز سی چادر ہے جس نے بچھتے ہی

ہمیں سُجھایا کہ جو کچھ اب اِس کے نیچے ہے
وُہی نہیں ہے جو دِکھتا رہا سَدا ہم کو
ہر ایک چیز کے اندر ہے کوئی شے ایسی
جو گرد چھلے تو دِکھتی ہے ورنہ دھوکا ہے!

☆☆☆

بتا اَے شہر!

بتا اَے شہر
تیری نیم روشن، تنگ
بَل کھاتی ہُوئی گلیوں میں
یہ کیسا تعفّن بھر گیا ہے
مکانوں کی بجھی آنکھوں میں
کالا موتیا اُترا ہُوا ہے
کوئی چھت پر نہیں جاتا
فلک سے رابطہ ٹوٹا ہُوا ہے

ڈری سہمی ہُوئی مخلوق
دیواروں کے اندر چھپ گئی ہے
کوئی آواز تک آتی نہیں ہے
وہ سنّاٹا
جسے تُو نے کبھی گلیوں میں
آنے کی اجازت تک نہیں دی تھی
مکانوں کی بجھی آنکھوں کے رَستے
چہکتے بولتے کمروں کے اندر آ گیا ہے
بتا اَے شہر تیرے تن بدَن کو
یہ کیا بیٹھے بٹھائے ہو گیا ہے!!

☆☆☆

پھر اک دِن —

پھر اک دِن
وُہ گھنے جنگل سے
خُوشبُو کی طرح نکلا
پہاڑی کے قریں جا کر رُکا
جس کے بدن پر
بال و پَر کا
اِک نشاں تک بھی کہیں باقی نہیں تھا
کہا اُس نے:

یہ کیا تجھ کو ہُوا

کیا زہر میں لتھڑی اَنی والا زمانہ

تجھ پہ جھپٹا'

خود اپنے آپ کو ویران تُو نے کر لیا

یا روگ تھا کوئی کہ جس نے

گرم پنڈے پر اُگے

پھوڑے کی صورت بخش دی تجھ کو؟

پہاڑی مسکرائی اور کہا:

ایسا نہیں کہتے

تُو اپنی بات کر

آنکھوں کے زخموں کا ترے

اَب حال کیسا ہے؟

☆☆☆

ساری نظمیں خاک ہوئی تھیں

اب تو یوں لگتا ہے جیسے
موسم سارے، وقت پہ آنا
وقت پہ جانا، بھُول چکے ہیں
جب جی چاہا
دروازے کے پٹ کو توڑ کے
گھر کے اندر آجاتے ہیں
چھت سے
گاڑھی کیچڑ کے دھاروں میں

بہنے لگتے ہَیں
ہر شے لَت پَت ہو جاتی ہے
لفظوں کے پھَل
حرَفوں کی قاشوں میں بٹتے جاتے ہیں!

باہر کیا کرتے ہَیں موسم
یہ مت پوچھو
صبح ہوئی تو پیپل کے اِک پیڑ سے مَیں نے
پوچھ لیا: کیا حال ہے بھائی'
کیسے تُو نے رات بِتائی!
چُپ تھا' منہ سے کچھ نہیں بولا
مَیں نے دیکھا
پیپل کے قدموں میں اُس کی
ساری دولت
ملغوبہ سا بنی پڑی تھی
پیڑ پہ لکھی ساری نظمیں خاک ہوئی تھیں!!

☆☆☆

چلو، ہم لَوٹ جاتے ہیَں!

چلو، اب لَوٹ جاتے ہیَں
کہاں تک ہم سُتُونوں کے سہارے
اِس بجھے، نامختتم اَیوان میں
چلتے رہیں گے!
کہاں، ہم ڈھونڈ پائیں گے
اُسے، جس کے نقوشِ پا
اکھڑتے فرش کی رِخنوں کے اندر
جا چکے ہیں!

چلو، اب لَوٹ جاتے ہیں

مگر سوچو،

کہاں تک واپسی کے اِس سفر میں

سُتُونوں کا سہارا لے کے

ہم کاغذ کے پُرزوں کی طرح

اڑتے پھریں گے!

نُقُوشِ پا تو آخر

واپسی کے اِس سفر میں بھی، ہمیں

درکار ہوں گے —

نُقُوشِ پا

جو کب کے مٹ چکے ہیں!!

☆☆☆

کوئی نہیں تھا!

دَر دَر پھرنے والی ایک صَدا کے پیچھے
کف آلود، درانتی ایسی آوازوں کا
غول لگا تھا
گلیوں میں کُہرام مچا تھا
کاسہ اُس کا فرش پہ گر کر
ٹوٹ چکا تھا
چوغہ کتنی لیروں میں تقسیم ہُوا تھا
گھروں کے دَر

اندر سے سب نے بند کیے تھے

آور مُنڈیریں
ڈری ہوئی آنکھوں سے جیسے
اَٹی پڑی تھیں
کوئی نہ تھا جو غرّاتی
اوِر جستیں بھرتی
آوازوں کو ڈانٹ پلاتا
اپنے چوغے اوِر کاسے کی
بھینٹ چڑھا کر اُسے بچاتا
کوئی نہیں تھا!

☆☆☆

ہَوا کو کیا خبر!

ہَوا
بادل کو چھاتی سے لگائے پھر رہی ہے
اُسے وُہ تھپکیاں دیتے، کبھی
جُھولا جُھلاتی ہے
کبھی لوری سُناتی ہے
مگر بادل کو جانے کیا ہُوا ہے
کہ وُہ اِک تار بس روتا ہی جاتا ہے!

ہَوا

غصّے میں آتی ہے

ہَوا کی تھپکیاں بھاری تھپیڑوں میں بدلتی ہیں

تو بادل اَور بھی شِدّت سے روتا ہے

ہَوا کو کیا خبر

بادل اگر رونے لگے

تو پھر کبھی رکتا نہیں ہے

ہَوا کو کیا خبر

بادل — سلونا، سانولا، کم سِن

اُسے آنسو بہانے کے سوا

آتا ہی کیا ہے!!

☆☆☆

پھٹے خیمے کے اندر

مسلسل بُوندا باندی ہو
تو راہی بھیگ جاتے ہیں
پھٹے خیموں کے کینوس پر
سِتارے جھلملاتے ہیں
سیہ رسّی کے ریشم پر
نمی، بُوندوں کے چھالے
چھوڑ جاتی ہے
کوئی پنجرے کے قیدی سے نہیں کہتا

ترے سُوکھے ہُوئے پَر
گھاس کے بے بال تنکے ہیں
ترا دُکھ ہم سمجھتے ہیں
مگر کچھ کر نہیں سکتے
ہمارے پاس اَب رکھّا ہی کیا ہے!
فقط دو چار بُوندیں آبِ دیدہ کی
مگر دو چار بُوندوں سے
ترے پَر کیسے تَر ہوں گے!!

☆☆☆

اَسرار

تری آنکھوں کے اندر کوئی شے ہے
جسے مَیں نے کبھی دیکھا نہیں ہے
تری پلکیں جسے چھُونے کی خاطر
سَدا سے مضطرب ہیں
انھیں لیکن پتا بالکل نہیں ہے
اُسے چھُونے کی خواہش بھی کریں تو
سمٹ جاتی ہے وُہ اَپنے ہی اَندر
وہ اندر جس میں سمتوں کی کمی ہے
نہ گہرائی کی کوئی اِنتہا ہے

مجھے لیکن پتا ہے، وُہ
لپک کر آنے والی ہے
مِری پھیلی ہتھیلی پر
اگر مَیں اُس کی خواہش میں
نہ یُوں پاگل بنوں
آنسو بھری اِن اپنی آنکھوں سے
اُسے مَیں دیکھنے کی
بات بھی دِل میں نہ لاؤں
مگر کیسے نہ لاؤں، وُہ مجھے
آرام کرنے ہی نہیں دیتی
مِرے سارے بدن میں
ناچتی پھرتی ہے وُہ ہر دَم!

☆☆☆

اوِرمَیں پھر سے

جب مَیں خود سے باہر آکر
اپنے خول کو دیکھتا ہُوں
تو ہنس پڑتا ہُوں
سوچتا ہُوں
اِس ٹُوٹے پھُوٹے پنجر میں
جو پنجرے سے بھی بدتر ہے
مَیں ایک اکیلا پنچھی ہُوں
پَل بھر کو باہر نکلا ہُوں

اوِر نکلا ہُوں تو پنجر مجھ کو

کتنا خالی، کتنا مُضحِک سا لگتا ہے!

ہنس پڑتا ہُوں

پنجر میں واپس آتا ہُوں

اِک اِک کر کے

سارے طَوق پہَن لیتا ہُوں

پنجر جیسے جی اُٹھتا ہے

اوِر مَیں پھر سے

قِسطوں میں مَرنے لگتا ہُوں!!

☆☆☆

کیوں دُکھ اوڑھ کے —

کیوں دُکھ اوڑھ کے بیٹھے ہو،
کیا سوچ رہے ہو!
دُھند کو دیکھو،
اُس نے اپنے سارے تھان سمیٹ لیے
پکھوؤں کو دیکھو،
شاخوں اور پتّوں کے مَعبد
سب نے چھوڑ دیے
کلیوں کو دیکھو،

کیسے کھل کر پھول بنیں

اور بچے ہاتھ چھڑا کر

گھر سے دَوڑ گئے

بھونرے، خوشیاں، نغمے، سب آزاد ہُوئے!

کیوں دُکھ اوڑھ کے بیٹھے ہو

تم دکھ کی مَیلی گدڑی پھینکو

رنگوں والی سیڑھی چڑھ کر

آسمان کو دیکھو،

تم بھی ــــ آسمان کو دیکھو!!

☆☆☆

آخِری کوشش

خموشی

راکھ بن کر کوئلوں پر جم گئی ہے

ہوا' میدان میں اوندھی پڑی ہے

شجر' شہپر سمیٹے چُپ کھڑے ہیں

پرندے'

چکنی مٹّی کے کھلونے بن گئے ہیں

کوئی آتا نہیں' جاتا نہیں ہے

الاؤ دیر سے ٹھنڈا پڑا ہے

لرزتے کانپتے ہاتھوں سے کوئی
راکھ کھودے
شرارہ، کیا عجب کوئی بچا ہو
کوئی بچّہ ابھی تک جی رہا ہو
گھنے، بھاری، سیہ ملبے کے نیچے!

☆☆☆

روشنی سے بات کر کے دیکھ لی

روشنی سے بات کر کے دیکھ لی

تیرگی، آ تجھ سے اَب باتیں کریں!

روشنی تھی آئنوں کا اِک نگر

کپکپاتی صُورتوں کا اِزدحام

اوس کی بُوندوں کا پیہم سِلسِلہ

مضطرب عکسوں کا اِک برہم جہاں

روشنی کی شعبدہ بازی کے ہاتھوں

بَٹ چکے تھے ہم، مگر

چاہتے تھے پھر سے جُڑ جائیں
سو تیری
جُوہ میں ہم آگئے ہیں، تیرگی!
تُو مگر خاموش کیوں ہے
بات کیوں کرتی نہیں!!

☆☆☆

یہاں

سُنا ہے ہم نے کہ ابتدا میں
سفید چادر تھی جس پہ ہر سُو
بجز "نہیں" اور کچھ نہیں تھا
"یہاں" کا کوئی نشان تک بھی
کہیں نہیں تھا!

"یہاں" مگر پھر خُدا ہی جانے
کہاں سے آیا

اور اَیسے آیا کہ اب "نہیں" کا

کہیں بھی نام و نشاں نہیں ہے

فقط "یہاں" کی ہزار گرہوں

کے سلسلے ہیں

پہاڑ چاروں طرف اُگے ہیں

پرند، بھونرے، پتنگ، سپنے

ہَوا میں چکّر لگا رہے ہیں

جدھر بھی دیکھو

دمکتے ذرّوں

چمکتے تاروں کے کارواں ہیں

جہاں بھی جاؤ

نشانیوں سے اَٹا ہُوا

اِک عجب جہاں ہے !!

☆☆☆

پُل

پُل جو نہ ہو تو دونوں کنارے
خوف زدہ سے رہتے ہَیں
کچے گھڑے کی تھل تھل بہتی
کشتی سے بھی ڈرتے ہَیں!

پُل بن جائے
تو وُہ دونوں
اِک دُوجے سے پیار بڑھاتے ہَیں

مِل جُل کر تہوار مناتے ہیں!

اَور اگر آکاش سے بادل

اندھے بادل

اِک دُوجے کا پلّو تھامے

کُوچ کریں

اوِر دریا کا جَل اُڑ جائے

تو دونوں کنارے

اِک دُوجے پر

خاک اُڑاتے ہیں!!

☆☆☆

شہر میں آتے ہی

صبح سویرے
کھانسی، کھڑ کھڑ ہنستے
سینے کے غاروں میں
خوش خوش پھرتی ہے
کوئی رُکاوٹ رستے میں گر آجائے
تو زور لگا کر
اُس کے پار اُتر کر
دھم سے گِر کر،

ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے
جیسے کوئی کانچ کا برتن
فرش پہ گر کر ٹوٹ گیا ہو
جس کی کرچیں
سانس کی نالی میں اٹکی ہوں!

پھر جب دُھوپ
مُنڈیروں سے نیچے آتی ہے
سُرخ عُنابی چھینٹوں میں
بٹنے لگتی ہے
شام کی آنکھیں، روشنیوں سے
چبھنے والی روشنیوں سے
بھر جاتی ہیں،
سانس اکھڑنے لگتی ہے!!

☆☆☆

ہم لاکھوں بھیگی پلکوں پر

بادل گرجا

دھچکے کھاتی اِک بھاری آواز کا شیشہ

رَعد کا شیشہ

ٹکڑے ہو کر، کرچیں بن کر

فرشِ زمیں پر آن گرا!

ہم کیوں ڈرتے اُن کرچوں سے

گھر کی، شہر کی دیواروں کے

تنگ کلاوے توڑ کے نکلے

کرچوں کو جیبوں میں بھرنے!

چاروں جانب بکھری کرچیں

چنتے چنتے

لہُو کی بُوندیں بن کر ہم گلنار ہوئے

پھر لاکھوں بھیگی پلکوں پر

آباد ہُوئے

بس یہی ہماری قسمت تھی

سو کیا کرتے!!

☆☆☆

لا شَے

وہ شَے جو فقط لامسہ تھی
عجب لجلجے پن کی مظہر
وہ بس ایک ہی تند خواہش میں
لِتھڑی پڑی تھی
کہ "لا شَے" بنے
اَور بجلی کے کوندے کی صورت
کڑکتی پھرے
اور چھڑکتی پھرے آگ

ساری زمیں پر
وہ شے منقلب ہو کے "لا شَے" میں
اَب سامنے آچکی ہے
تجھے اِس کے آنے کی شاید
خبر ہی نہیں ہے!

☆☆☆

گہراؤ

چلو مکاں کے دروازے کو
اندر سے ہم قفل لگائیں!
نیچے جاتے زِینے کے
تختوں پر اَپنے قدم جمائیں!
گہراؤ کے اَندر اُتریں
صدیوں پُرانا منظر دیکھیں
جس کے اَندر تاریکی نے
ڈیرے ڈالے ہیں

وُہ کچھ دیکھیں جو ہم
اپنی اُجلی تاباں دُنیا میں بھی
دیکھ نہیں پائے تھے
آگے بڑھ کر
آنسو بن کر
تاریکی کے سیپ میں اُتریں
موتی بن کر
باہر آئیں!!

☆☆☆

عجب وُہ شور ہَے!

کبھی تُو نے سُنا وُہ شور
سنّاٹے کے اندر جس کا مسکَن ہَے!
عجب وُہ شور ہَے
جس کا تسلسُل جاوِدانی ہَے
کسی ٹکسال نے اب تک جسے
لفظوں کے سکّوں میں نہیں ڈھالا
عجب وُہ شور ہَے
جس کا بس اِک معنیٰ ہَے ـــــ

معنیٰ جو کبھی پتھّر پہ گِر کر
اَن گِنَت ریزوں کی برکھا میں نہیں بدلا
وہ معنیٰ شور کو جس نے زباں دی ہے
تکلّم کا انوکھا اِک ہُنر بخشا ہے
بِن بولے جسے
سب کچھ بتا دینا سکھایا ہے!!

☆☆☆

پیاس

ہُوا یُوں کہ جب سبز دھرتی پہ
سُورج نے یلغار کی
اور پر نلے زبانیں نکالے
سکڑتے سمٹتے ہوئے، کہنہ جوہڑ کے
سُوکھے کناروں پہ آ کر رُکے
اَور چاہا کہ اِک بُوند پانی پئیں
اَور گیلا کریں اپنے سوکھے پَروں کو
تو بھُورے پہاڑوں، سیہ گھاٹیوں سے
نکل آئے وُہ سب

جنھیں تیر کی نوک سے
پنچھیوں کے بدَن
چھلنی کرنا سکھایا گیا تھا
جنھیں یہ بتایا گیا تھا
پرندے تمھارے لیے ہی
بنائے گئے ہیں!

مگر پھر ہُوا یُوں
کہ جوہڑ کے سوکھے کناروں پہ آئے
پرندوں نے
اپنی طرف آتے تیروں کو دیکھا
تو اُن کی سمجھ میں بس اِتنا ہی آیا
کہ اُڑتے ہوئے تیر
پیاسے پرندوں کی اِک ڈار تھے
ڈار جو پیاس اَپنی بُجھانے
لپکتے جھپٹتے چلی آ رہی تھی!!

☆☆☆

بے اَنت

گول مٹول تھا چہرہ اُس کا
پلکوں سے آنسو چپکے تھے
ربڑ کی گڑیا سامنے پا کر
آنکھ کے اَندر سمٹ گئے تھے

اَور مسرّت
آنکھ کی بھیگی تہ سے اُبھر کر
پلکوں کی اِک شاخ سے جیسے
لٹک گئی تھی

شاخ سے پھر وُہ پھُولے گال کے
گرم گلابی ریشم پر آباد ہُوئی تھی
وہاں سے اُڑ کر
مخمل ایسے نرم لبوں پر آ بیٹھی تھی
لبوں کے پَٹ کھلتے ہی جیسے
موتیے کی کلیوں کا جھُرمٹ
پَر تولے آگے آیا تھا
اوِر مُسکان نے جنم لیا تھا
پھر مُسکان نے جست بھری تھی
تاروں کے بے اَنت جہاں میں
پھیل گئی تھی!

☆☆☆

کٹائی کے دِن ہیں

ابھی آسماں تیرے سر پر سلامت ہے
بادل سلیٹی، غبارے گلابی
پرندے کئی رنگ پہنے
یہاں سے وہاں
اور اُدھر سے اِدھر پھر رہے ہیں
ابھی تُو نے گھر اپنا اوڑھا ہُوا ہے
رسوئی میں چُولھا سلگتا ہے
آنگن، گلابوں کی خُوشبُو سے لبریز

گلیاں گھنی گرم سرگوشیوں سے بھری ہیں
ابھی حبس شہروں پہ جھپٹا نہیں ہے
ابھی اُس کے آنے کا خطرہ نہیں ہے
خوشی ریزہ ریزہ، ہر اک سمت
بکھری پڑی ہے!
مگر تُو عجب وَسوَسوں،
واہموں میں گِھرا ہے
کہ ریزوں کو چننے کی
خواہش ہی تجھ کو نہیں ہے!!

☆☆☆

امانت

مسکرا کر گھر کی چابی
تُو نے واپس کی مجھے:
لو سنبھالو یہ امانت،
ہم چلے!
گٹھریاں، خوشیوں غموں کی
ہم اُٹھائے
دیر تک چلتے رہے،
اَور کتنی دیر ہم

اِس خستہ سامانی میں آنکھیں

میچ کر چلتے رہیں!

لو سنبھالو یہ امانت'

ہم چلے!!

☆☆☆

آخری بات

کاغذ پہ گرتی بُوندوں کا نَم پھیلتا گیا
حرفوں نے لفظ بننے سے اِنکار کر دیا
تاروں کی راکھ بھیگتی پلکوں پہ جم گئی
ٹھنڈی ہَوا نے آہ بھری اَور تھم گئی
آواز، لب کے چاک پہ بننا تھا جس کو بات
بھیگی ہُوئی تھی اِتنی کہ کچھ بھی نہ بن سکی
ہلکے سے خال و خد سے بھی یکسر تہی رہی
شبنم کی ایک بُوند ہی بنتی، مگر نہیں

خم بُلبلے کی قوس کا بنتی، مگر نہیں
لرزے تھے لب کہ جیسے دیے کانپنے لگیں
اِتنا تو ہم کو یاد ہے، پھر کچھ پتا نہیں!

☆☆☆

مِرے قلم میں روانی

یہ سارا گھر کہ معطّر تھا تیری باتوں سے
یہ سارا شہر کہ روشن تھا تیرے ہونے سے
یہ ٹہنیوں سے املتاس کے لٹکتے پھُول
یہ اَبر پارے، سِتارے، کلَس پہاڑوں کے
یہ زیورات کہ تیرے بدَن سے چمٹے تھے
حسیں اگر تھے تو بس اِس لیے کہ تو نے اِنھیں
پہَن لیا تھا وگرنہ یہ کیا تھے، کچھ بھی نہ تھے
یہ کہکشاں تھی فروزاں کہ تُو نے رات گئے

نظر اُٹھا کے اِسے ایک بار دیکھا تھا
ستارہ صبح کا خوش تھا کہ تیری پلکوں نے
اُسے سنبھال لِیا تھا کمال نرمی سے
وگرنہ خاک پہ گِرتا تو خاک ہو جاتا
مِرے قلم میں روانی ترے ہی دَم سے تھی
جو تُو نہیں ہے تو اب یہ قلم بھی بے بس ہے!

☆☆☆

سانحہ

وہ دردمند، بڑے مہرباں، ہزاروں لوگ
کہاں کہاں سے نہ آئے تھے دیکھنے ہم کو
اُنھیں خبر تھی کہ اِک کوہِ غم گرا تھا یہاں
کہ جس کے ملبے کے نیچے دبے پڑے تھے ہم
وہ دردمند، بڑے مہرباں، ہزاروں لوگ
جنھوں نے غم کے گراں کوہ کے سیہ پتھر
اُٹھا لیے کہ ہمیں بوجھ سے نجات مِلے
لرزتی، کانپتی، بھیگی ہُوئی نگاہوں سے

ہمارے غم کو لیا بانٹ پیارے لوگوں نے
اورِ اُس کے بعد وہ اپنے گھروں کو لَوٹ گئے
مگر گئے نہ کہیں ہم کہ ہم کہاں جاتے!

☆☆☆

خاک

پکھیرو پنکھ سہلانے لگے ہیں
سِتارے سَرنِگوں ہیں
اوس کی بُوندوں میں ڈھل کر
موتیے کی اَدھ کھلی کلیوں پہ گرتے
اُوک سے ٹَپ ٹَپ ٹپکتے
خاک پر
خُوشبُو کی تہ بننے لگے ہیں
خاک، کچّی باس کو پوروں سے چھُو کر

پوچھتی ہے: کون ہو تم؟
اچانک اِک پُرانی یاد کی لَو تیز ہوتی ہے
وہ اُٹھ کر، اپنی بانہیں کھول کر
کتنے کسیلے کوس سے آئی
تھکی ہاری سہیلی سے
گلے ملتی ہے، کہتی ہے:
زمانوں بعد آئی ہو!

☆☆☆

چلو، اِک بار پھر ہم!

چلو، اِک بار پھر ہم
کچّے رستے پر سفر آغاز کرتے ہیں!
چلو، پھر خاک سے کہتے ہیں:
اُٹھ اور ساتھ دے ہم خستگاں کا
جو تجھے ہمراہ لے کر
دُور تک جانے کا
اِک پختہ ارادہ دِل میں رکھتے ہیں!
مگر ہم جانتے ہیں

خاک کا رِشتہ زمیں سے ہَے
اُسے مٹھی کے اندر بند کر کے
یا ہَوا کے دوش پر بکھرا کے
لے جائیں تو ممکن ہَے
وگرنہ خاک خود چلنے سے قاصر ہَے
چلو، کوشش تو کر دیکھیں
عجب کیا ہَے کہ بے حس خاک
خاکِ پا میں ڈھل جائے
ہمارے پیچھے پیچھے چل پڑے
چلتی چلی جائے!

☆☆☆

وہ آزاد کیسے ہُوئی!

صَدا، جو خلا کی بجھی گُونج میں

جذب ہونے کا

اِک سانحہ بن گئی تھی

بجھی گُونج کے

گہرے گھاؤ کے اندر سے

آزاد کیسے ہُوئی، کون جانے!

کیسے اُس نے

لرزتی ہُوئی گونج کی ایک کترن کو

کشتی بنا کر

سفر میری جانب کِیا

اور آواز کی نُقرئی بُوند بن کر

مِری ختم ہوتی سماعت

کے کشکول میں آ گری

کون جانے!!

☆☆☆

SHIV K. KUMAR

Wazir Agha, an outstanding poet, is a legend in *Pakistan*, and a writer of great sensitivity and integrity. He lives on his farm, in close communion with nature. No wonder, his poetry, like *Seamus Heaney's*, derives its power and beauty from the open land-scape, and from the birds and animals which recognize no barriers. What distinguishes *Wazir Agha* from other contemporary *Pakistani* poets is his symbolic mode of writing and his deep philosophic outlook. Never a streak of romantic sentimentality, no evocation of heartache, nor outbursts of ecstasy over love's consummation.

In his poem *Bonfire* the poet urges man to rediscover himself, so that he may be able to *speak out* fearlessly. The concept of inner freedom is here articulated more forcefully than even in *Faiz Ahmed Faiz's* poem *Speak Up (Bol ke lub azad hain tere…)*.

Wazir Agha's poetry is *Yeatsian* in its unification of thought and emotion, candid and fearless like *Pablo Neruda's*, and intensely lyrical like *Faiz's*.

(The Statesman, India)

ISBN 969-8527-57-5